© rasailojaraid.com

نقطہ نظر

ڈاکٹر نعمان ندوی

عہدِ رسالتؐ اور سائنس و ٹیکنالوجی

ترقی سائنس، ارتقا اور معیارِ زندگی کی بلندی کے مفروضات کی تلاش میں سرگرداں ہونے سے قبل اس سوال پر نہایت گہرے غور و فکر کی ضرورت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تاریخ کے کس موڑ پر تشریف لائے؟ جب آپؐ دنیا میں آئے تو اس دنیا کا کیا نقشہ تھا؟ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی نبوت کے لیے جس خطے کا انتخاب کیا، اس کی جغرافیائی اہمیت و حیثیت کیا تھی؟

حرمین شریفین کی جغرافیائی اہمیت اور حیثیت

مکہ مکرمہ قدیم اور جدید جغرافیہ دانوں کی تحقیق کے مطابق دنیا کے وسط میں واقع ہے۔ گویا کائنات کی مرکزی ہستی ختمی مرتب ﷺ کو کائنات کے مرکز میں مبعوث کیا گیا، اس بعثت کے ذریعے خانۂ کعبہ کی مرکزیت کو دنیا کے لیے ایک مرتبہ پھر ابد تک قائم کر دیا گیا کہ اب پوری دنیا کو رہتی دنیا تک اس مرکزِ خداوندی اور اس مرکزی ہستی رسالت مآب ﷺ کے ساتھ دائمی تعلق قائم کرنا تھا جو تمام عالمین کے لیے رحمت اور کافۃً للناس ہیں اور آپ ﷺ کا پیغام پوری دنیا کے لیے آخری، حتمی، قطعی اور ابدی پیغام ہے۔

جزیرۃ العرب کی جغرافیائی اہمیت یہ ہے کہ دنیا کے تین برّاعظم اس سے ملتے ہیں۔ حج کی عبادت کے باعث دنیا بھر کے تجارتی قافلے جزیرۃ العرب کے ذریعے اس سرزمین سے، جو نہ صرف مرکز کائنات [Centre of Universe] بلکہ ازل سے ابد تک کے لیے مرکز رُشد و ہدایت بھی ہے؛ تجارت، کاروبار، حج اور اسفار کے ذریعے مسلسل رابطے میں رہتے تھے اور پیغام رسالت مآب ﷺ ان قافلوں کے ذریعے مشرق و مغرب اور شمال و جنوب میں فطری طریقے سے پہنچ سکتا تھا۔ یہ پیغام لے جانے والے پیامِ رسالت ﷺ کی صرف زبانی ترسیل نہ کرتے بلکہ پیغام دینے والے پیامبر کی سیرت اور شخصیت کے گوشوں سے بھی ذاتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طور پر واقف ہوتے تھے، کیونکہ وہ قرآنِ مجسم رسالت مآب ﷺ کو جزیرۃ العرب کے گرد و غبار، در و دیوار، دیار و اَمصار، کوچہ و بازار اور نقش و نگار میں ایک نورانی و روحانی وجود کے طور پر چلتا پھرتا ہوا پاتے تھے۔ ایک لفظی قرآن تیس سپاروں میں بند تھا اور دوسرا عملی قرآن مکہ کے گلی کوچوں میں شب و روز اُن کے درمیان موجود تھا جس کے ایمان کی حرارت سے پتھر دل پگھل رہے تھے اور صحرا میں موجود ریت کے ذرّوں کو بھی شعور حاصل ہو رہا تھا۔ آپؐ کی سیرت کے گوشے ان کے لیے مہرِ جہاں تاب کی کرنوں کی طرح روشن تھے۔ یہ پیغام رسانی 'عین الیقین' کے درجے میں ہوتی تھی۔

بعثتِ نبویؐ کے وقت قومِ حجاز کی تمدنی حالت

عالم عرب کے ایک جانب یونانی فلسفے، سائنس، منطق، تہذیب و تمدن کے آثار محفوظ تھے تو دوسری جانب ایران، چین، ہند اور روم کی تہذیبیں اپنے علوم و فنون کی پوری آب و تاب کے ساتھ زندہ تھیں۔ فلسفہ، سائنس، ٹیکنالوجی اور علومِ عقلیہ میں جزیرۃ العرب ان اقوام سے مسابقت کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ جس قوم، بنو اسمٰعیل میں آپؐ تشریف لائے وہ 'اُمیون' تھے۔ صرف اہل کتاب اس خطے میں لکھنے پڑھنے سے واقف تھے۔ اس کے برعکس مدارس اور جامعات کے ذریعے تعلیم یونان، ہند، چین اور ایران کے خطوں میں عام تھی۔ ان خطوں سے متصل ماضی کی مٹی ہوئی تہذیبیں: ہڑپہ، موہنجوداڑو و ٹیکسلا کے آثار بھی اس بات کی یاددہانی کراتے ہیں کہ رسالت مآب ﷺ کو ان کی آمد سے پہلے کی عظیم الشان قوموں اور ان کے عہد میں موجود مخالف تہذیب و تمدن کے علوم عقلیہ [Natural Philosophy, Science & Technology] سے کچھ عطا نہیں کیا گیا۔

چین، ہند، روم، یونان اور ایران کی عمارات کے مقابلے میں مدینۃ النبیؐ میں کوئی ایک عمارت عہدِ رسالت میں تو کیا اس کے بعد بھی ماضی قریب تک تعمیر نہیں کی جا سکی تو آخر کیوں؟ اُنیسویں صدی کے آخر تک مکہ معظمہ میں فراہمیٔ آب و نکاسیٔ فضلات [Water and Drainage System] کا کوئی باقاعدہ نظام موجود نہیں تھا، جبکہ رسالت مآب ﷺ کی آمد سے تین ہزار سال پہلے کی تہذیب موہنجوداڑو میں نکاسی غلاظت کا زبردست

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظام موجود تھا۔ مدینۃ النبیؐ میں اس طرح کی سڑکیں، گلیاں، بازار، مکان، ساعت گاہیں [Auditorium] اور یونیورسٹیاں موجود نہ تھیں جو رسالت مآب ﷺ کی آمد سے پہلے موہنجودڑو، ہڑپا، ٹیکسلا، یونان اور روم وغیرہ کی تہذیبوں میں موجود تھیں۔ اتنی عظیم الشان تہذیبوں، قوموں اور تمدنوں کے مقابلے میں جو ہر قسم کے علوم و فنون سے آراستہ تھیں، ایک ایسی ہستی کو کھڑے ہونے کا حکم دیا گیا جو نہ لکھنا جانتی تھی، نہ پڑھنا جانتی تھی:

﴿وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ﴾

(العنکبوت:48)

''اے نبی ﷺ! آپ اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے؛ اگر ایسا ہوتا تو باطل پرست لوگ شک میں پڑ سکتے تھے۔''

اصل علم و حکمت کیا اور اُمیّت کیا ہے؟

ایسی ہستی کا انتخاب کرنے کی حکمت مالکُ الملک کے سوا کون جان سکتا تھا؟ عرب میں یہودی بھی لکھنے کے فن سے واقف تھے مگر اس فن کی خالق کائنات کی نظر میں کوئی وقعت نہ تھی کہ یہودی اس کتاب کو بھلا چکے تھے جو زندگی کا سرچشمہ تھی لہٰذا اس سرچشمے سے لاتعلقی کے بعد کوئی علم اور کوئی ہنر پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتا۔ رسالتِ مآب ﷺ میں اُمی ہونے کی صفت کو عیب کے بجائے اس ہستی کے حق میں ہنر اور کمال قرار دیا گیا اور قرآن نے 'اُمی' کے لقب سے آپ ﷺ کو اور آپؐ کی قوم کو خود پکارا۔

یہ پکار، یہ اعلان اس امر کا استعارہ ہے کہ اے اہل عالم! تمہاری نظر میں جہل اور علم کے دائرے، اس کے اُصول و منہاج، پیمانے اور معیارات، اس کے اندازے، اس کو پرکھنے کے تمام طریقے اور اس کی تمام تعریفیں بالکل غلط ہیں۔ تم عظیم الشان عمارتوں، کتابوں، کتب خانوں، اداروں، مدرسوں، فلسفوں، سائنس و منطق کو علم سمجھتے ہو مگر یہ کیسا علم و عقل اور کیسی روشنی ہے کہ تم حقیقتِ کائنات اور مالکِ حقیقی کی معرفت سے محروم ہو۔ وہ علم جو تمہیں حقیقت الحقائق سے وابستہ نہ کرسکے، وہ قیامت تک علم نہیں، جہل ہے۔ علم وہ ہے جو تمہیں اپنے خالق کی معرفت سے آگاہ کرے اور اپنی آخرت سنوارنے کے طریقے بتائے لہٰذا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصلاً اُمی، رسالت مآب ﷺ نہیں؛ اہل یونان، روم، ہند، چین وایران ہیں جو ہدایت کی روشنی سے محروم ہیں؛ جو اپنے مالک حقیقی کو پہچاننے سے قاصر ہیں۔ جو اس نور سے محروم ہو، اس سے بڑا محروم کون ہو سکتا ہے؟

اُمی ہونے کے باوجود رسالت مآب ﷺ پر علم کس ذریعے سے نازل کیا گیا؟ کیا قلم سے؟ جس کی قسم سورۃ العلق میں کھائی گئی۔ کیا کتاب سے؟ جو اس عہد کے تمام بڑے تمدنوں میں موجود تھی۔ کیا قرطاس سے؟ جو اس عہد کے لوگوں کے لیے اجنبی نہ تھا۔ بلکہ علم آپ ﷺ کے قلبِ اطہر پر نازل کیا گیا کہ یہی قلب علم کا اصل سرچشمہ ہے۔ انبیا اسی قلب کو درست کرنے کے لیے بھیجے جاتے ہیں جس میں باطل نقب لگاتا رہتا ہے:

﴿ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ ﴾ (البقرۃ:97)

''ان سے کہو کہ جبرئیلؑ نے اللہ ہی کے اِذن سے یہ قرآن آپ کے قلب پر نازل کیا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے رسالت مآب ﷺ کی رسالت کو قیامت تک کے تمام انسانوں کے لیے وسیع فرمادیا اور آپ پر نبوت کا اختتام کردیا۔ آپ کافة للناس ہیں، آپ کی ہستی کو اللہ تعالیٰ نے ابد تک کے انسانوں کی زندگی سنوارنے، ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دینے کے لیے مبعوث فرمایا:

﴿ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴾ (الجمعۃ:2)

''وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو اُنھیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور اُنھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے یقیناً یہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔''

ان زمانوں کے لیے جو سائنس و ٹیکنالوجی میں سب سے آگے ہونے کا دعویٰ کریں، قرآن نے واضح کردیا کہ اس رسول کی بعثت ان دوسرے لوگوں کے لیے بھی ہے جو ابھی ان سے نہیں ملے ہیں:

﴿ وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴾ (الجمعۃ:3)

''اور دوسروں کے لیے بھی انھی میں سے جو اَب تک ان سے نہیں ملے۔''

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رسالت مآب ﷺ کو اپنے عہد کے عظیم الشان تمدنوں کے سامنے کھڑا کر کے دنیا کو قیامت تک کے لیے بتا دیا گیا کہ اصل علم و دانش اور روشنی و نور وحی الٰہی اور علومِ نقلیہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اس روشنی، نور اور دانش سے محروم معاشرے مادّی طور پر خواہ کتنے ہی عظیم الشان ہوں، وہ تاریک ترین اور جہالت میں غرق ہیں اور اُن کو جہالت سے نکال کر روشنی میں لانا اُمتِ وسط کی بنیادی ذمہ داری ہے، جو صبح قیامت تک برقرار رہے گی۔

رسالت مآب ﷺ کو قرآن نے 'سراجِ منیر' کے نام سے پکارا، اس لیے کہ العلم، الکتاب آجانے کے بعد روشنی اور علم آجاتا ہے اور 'اُمیت' باقی نہیں رہتی۔ لہٰذا قرآن نے اُمی اُن کو کہا جو اپنی قوم کے ایک بے مثال فرد پر روشنی، نور، فرقان، میزان، فصل الخطاب، حکم، لب، ضیا، ذکر، حکمت، خیر کثیر اور العلم نازل ہونے کے باوجود اس سے دانستہ محروم رہے، جو الکتاب کے نزول کے باوجود اس نور سے پھوٹنے والے علم سے بے بہرہ تھے:

﴿ وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتٰبَ إِلَّآ أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴾ (البقرۃ:78)

''ان میں ایک دوسرا گروہ اُمیّوں کا ہے جو کتاب کا تو علم نہیں رکھتے بس اپنے بے بنیاد آرزوؤں اور اُمیدوں کو لیے بیٹھے ہیں اور محض وہم و گمان پر چلے جا رہے ہیں۔''

حقیقی علم کے حامل و عامل ہونے کا نتیجہ دین و دنیا کی سرفرازی ہے!

کتابِ ہدایت سے محرومی اور العلم کے مقابلے میں وہم و گمان کی پیروی اور بے بنیاد اُمیدوں و آرزوؤں کے لیے سرگرمی 'اُمیت' ہے اور اِسے ترک کرنا نور، روشنی، برہان، فرقان، عرفان، ایمان، سراج اور چراغ ہے۔ اس روشنی کا نتیجہ وہ عظمت، رعب و دبدبہ، ہیبت و فضیلت اور اعزاز و اکرام ہے جو حامل وحی گروہ کو روئے زمین پر عطا کی جاتی ہے:

﴿ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۚ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۚ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴾

(الاسراء:20،21)

''تیرے ربّ کی طرف سے اس کی عطا ہر ایک کو پہنچتی ہے۔ تیرے پروردگار کی بخشش کہیں رکی ہوئی نہیں۔ مگر دیکھ لو کہ دنیا ہی میں ہم نے ایک گروہ کو دوسرے پر کیسی فضیلت دے رکھی ہے اور آخرت میں اس کے درجے اور بھی زیادہ ہوں گے اور اس کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فضیلت اور بھی زیادہ بڑھ چڑھ کر ہو گی۔"

اس فضیلت کا ایک اثر قرآن نے یہ بھی بیان کیا کہ اس گروہ کے کردار، اقبال اور گفتار کے باعث اللہ تعالیٰ اہل عالم کے دلوں میں ان کے لیے محبت پیدا فرمادیں گے۔ یہ عزت، محبت، برتری اور فضیلت سائنس و ٹیکنالوجی کی بنیاد پر نہیں، علم صحیح اور اعمالِ صالحہ کے صلے میں عطا ہو گی۔ اس محبت کا سبب ان کی اخلاقی و روحانی ایمانی فضیلت ہو گی اور کچھ نہیں۔ قرآن کے الفاظ میں:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَ تُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا﴾ (مریم:96، 97)

"یقیناً جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور عمل صالح کر رہے ہیں، عنقریب رحمٰن ان کے لیے دلوں میں محبت پیدا کردے گا۔ پس اے نبی ﷺ! اس کلام کو ہم نے آسان کر کے تمہاری زبان میں اس لیے نازل کیا ہے کہ تم پرہیزگاروں کو خوش خبری دے دو۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنے ربّ سے اپنی اولاد کے لیے دعا فرماتے ہوئے یہ آرزو کی تھی کہ

﴿ رَبَّنَاۤ اِنِّيْۤ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْۤ اِلَيْهِمْ وَ ارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ﴾ (إبراھیم:37)

" اے ہمارے پروردگار! میں نے اپنی کچھ اولاد اس بے کھیتی کے جنگل میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس بسائی ہے۔"

یہ مرتبہ اور فضیلت تاریخ کے کسی بھی دور میں، کسی بھی مرحلے پر اور کسی بھی وقت حاصل کی جاسکتی ہے، لیکن جدیدیت کے زیراثر عہدِ حاضر کے بعض راسخ العقیدہ مسلمان حلقے بھی اب اس فضیلت کے کچھ زیادہ قائل نہیں رہے ہیں۔ ان کے خیال میں سائنس و ٹیکنالوجی کے بغیر فضیلت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور کم از کم عصر حاضر میں صرف اخلاق اور کردار پیدا کرنے سے کچھ نتیجہ نہیں نکلے گا، بالفاظِ دیگر اُمت کی علمیّت اور مابعد الطبیعیات رفتہ رفتہ تبدیل ہو رہی ہے!!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کسی قوم کے عروج کی ضمانت کیا سائنس و ٹیکنالوجی ہیں؟

تو کیا سائنس و ٹیکنالوجی کا انکار کردیا جائے؟

سوال انکار و اقرار کا نہیں، اُصول کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کو اس لیے تباہ نہیں کیا کہ وہ سائنس و ٹیکنالوجی میں پیچھے رہ گئی تھی بلکہ اس لیے تباہ کیا کہ وہ گناہ کی زندگی میں بہت آگے بڑھ گئی تھی اور پیچھے ہٹنے کے لیے تیار نہ تھی اور کسی قوم کو عروج اس لیے عطا نہیں فرمایا کہ وہ سائنس و ٹیکنالوجی میں اپنی مقابل تہذیب سے بڑھ گئی تھی۔ استخلاف فی الارض کو پاکیزگیِ قلب و نظر سے مشروط کیا گیا ہے، سائنس و ٹیکنالوجی زیادہ سے زیادہ فرضِ کفایہ کے درجے میں ہے، لیکن اب اُمّت صرف اس کے حصول کو واحد فریضۂ دینی تصور کررہی ہے۔ فرضِ کفایہ نے افضل ترین فرض کا درجہ حاصل کرلیا ہے۔ یہ ہے فکر و نظر میں تبدیلی، کہ فضیلت، برتری، کامیابی اور استخلاف کا واحد سبب محض سائنس و ٹیکنالوجی کو سمجھ لیا گیا ہے۔ پوری اُمّت اسی کی تعلیم و تحصیل کو افضل ترین علم تصور کررہی ہے، لیکن اس کے باوجود اس کے زوال کی رات مزید گہری ہورہی ہے۔

اُمید کا مرکز العلم اور الکتاب نہیں بلکہ وہ علم ہوگیا ہے جو مغرب نے تخلیق کیا ہے اور ہم صرف اسی علم کی آرزو سے تبدیلی کی صبح کا انتظار کررہے ہیں۔ یہ وہ بنیادی تغیر، رویہ اور سوچ ہے جس نے اُمت کے لیے بلندی کے تمام راستے مسدود و محدود کردیئے ہیں۔ قرآن میں عروج و زوال سے متعلق آیات میں ایک آیت بھی ایسی نہیں بتائی جاسکتی جو عروج کو صرف اور صرف سائنس و ٹیکنالوجی کے حصول سے مشروط کرتی ہو، نہ ہی استخلاف کی کسی آیت میں کسی نبی کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ زمین میں اقتدار کے بعد سائنس و ٹیکنالوجی کے علم کی تدریس و تعلیم کو اوّلیت دیں گے۔ ہر جگہ صلوٰۃ، زکوٰۃ، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا حکم دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس علم کو جو مرتبہ و مقام دیا گیا ہے، اس مرتبے و مقام سے اُسے ہٹادیا جائے تو یہ عدل نہیں، ظلم ہے۔ اس ظلم کے اقرار اور اس پر تین سو برس مسلسل اصرار کے باوجود اُمّت کا حال کیا ہے؟ ملائیشیا، ترکی، ایران، سوڈان، مصر اور پاکستان تمام تر دعوؤں کے باوجود نہ دین میں آگے ہیں، نہ دنیا میں بلکہ شکست کی رات مسلسل طویل ہورہی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن حکیم نے عروج وزوال کے قانون میں کہیں سائنس و ٹیکنالوجی کو زوال و عروج کا سبب قرار نہیں دیا۔اسی لیے: ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ (الحجرات:13)

''اللہ کے یہاں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔''

سائنس داں اور ٹیکنالوجسٹ ہونا کوئی عظمت نہیں۔ اسی لیے صحابہ کرامؓ رسالت مآب ﷺ کے ساتھ رکوع و سجود میں اللہ کے فضل کی تلاش کے لیے سرگرداں رہتے تھے:

﴿مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ۖ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا ۖ سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ۚ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۗ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا﴾ (الفتح:29)

'' محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں، کافروں پر سخت ہیں۔آپس میں رحم دل ہیں، توانھیں دیکھے گا کہ رکوع اور سجدے کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضا مندی کی جستجو میں ہیں۔ان کے نشان ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ہے ان کی یہی مثال تورات اور انجیل میں ہے۔''

کبھی تسخیر کائنات، تسخیر ارض اور سائنس و ٹیکنالوجی کی تلاش میں اُنہیں سرگرداں نہیں پایا گیا،اسی لیے قرآن نے بتایا کہ گناہِ عظیم پر اصرار کرنے والے جہنم میں ہوں گے:

﴿إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَٰلِكَ مُتْرَفِينَ وَكَانُوا يُصِرُّونَ عَلَى الْحِنثِ الْعَظِيمِ﴾

'' بے شک یہ لوگ اس سے پہلے بہت نازوں میں پلے ہوئے تھے اور بڑے بڑے گناہوں پر اصرار کرتے تھے۔'' (الواقعة:45،46)

سائنس و ٹیکنالوجی نہ جاننے والوں یا اس میں پیچھے رہ جانے والوں کو قرآن کی کسی ایک آیت میں بھی جہنم کی وعید نہیں سنائی گئی، آخر کیوں؟ حضرت ابراہیم کو ایک ذی علم لڑکے کی پیدائش کا مژدہ سنایا گیا:

﴿فَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ۖ قَالُوا لَا تَخَفْ ۖ وَبَشَّرُوهُ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ﴾

(الذاریات:28)

'' پھر تو دل ہی دل میں اُن سے خوفزدہ ہو گئے،انہوں نے کہا: آپ خوف نہ کیجیے۔''

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو اس علم سے مراد سائنس و ٹیکنالوجی کا علم نہیں، خالق کائنات کی معرفت اور آخرت کی حقیقت کا علم مراد تھا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو اللہ نے بچپن میں ہی حکم سے نوازا۔ ﴿ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَ اٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴾(مریم:12) جبکہ حکم کی یہ صفت دیگر انبیا کو نبوت کے ساتھ عطا کی گئی۔ یہ حکم کیا سائنس و ٹیکنالوجی تھا؟

اسلامی نظریۂ حیات

کفار و مشرکین کی تباہی کا سبب یہ تھا کہ ان کے سامنے ان کے ربّ کی آیات میں سے جو آیت بھی آتی ہے، یہ اس کی طرف التفات نہیں کرتے:

﴿ وَ مَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴾(یٰس:46)

ایسے تمام افراد اور تمام قوموں پر اللہ کا عذاب دراصل ان کے گناہوں کے باعث نازل ہوا: ﴿ فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ﴾ (العنکبوت:40) اور مؤمنین کی کامیابی کا سبب یہ تھا کہ وہ گناہگار زندگی سے نفرت کرتے تھے، پاکیزہ زندگی بسر کرتے اور اس دنیا کو گناہوں سے پاک کرنے کے لیے ذمے دار بنائے گئے:

﴿ وَ مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَ سَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴾

''جو آخرت کا خواہش مند ہو اور اس کے لیے سعی کرے جیسا کہ اس کے لیے سعی کرنی چاہیے اور ہو وہ مؤمن تو ایسے ہر شخص کی سعی مشکور ہو گی۔'' (الاسراء:19)

اللہ اپنے بندوں کا نہایت خیر خواہ ہے:

﴿ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۖۚ وَّ مَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚۛ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَ بَيْنَهٗۤ اَمَدًۢا بَعِيْدًا ؕ وَ يُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴾

(آلِ عمران:30)

''جس دن ہر نفس اپنی کی ہوئی نیکیوں اور برائیوں کو موجود پالے گا، آرزو کرے گا کہ کاش! اس کے اور برائیوں کے درمیان بہت ہی دوری ہوتی، اللہ اُنہیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا ہی مہربان ہے۔''

وہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا .....

﴿ اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ۙ۬ وَ قَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

أَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَ الْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾ (التوبة:70)

''کیا انھیں اپنے سے پہلے لوگوں کی خبریں نہیں پہنچیں: قوم نوح، عاد، ثمود، قوم ابراہیم اور اہل مدین اور موتفکات کی۔ ان کے پاس ان کے پیغمبر دلیل لے کر پہنچے، اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرے بلکہ انہوں نے خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا۔''

اور تمہارا ربّ بخشنے والا اور رحمت کرنے والا ہے۔ اگر وہ ان کے اعمال کی پاداش میں فوراً پکڑنا چاہتا تو ان پر فوراً عذاب بھیج دیتا: ﴿ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴾ (الکھف:85)

اسی لیے اس نے رحم و کرم کا شیوہ اپنے لیے لازم کر لیا ہے۔ (الانعام:35)

اس رحمت کے باعث وہ فوراً سزا نہیں دیتا، سورۃ فاطر کی آیت 45 میں ارشاد ہے:

''اگر وہ کہیں لوگوں کو ان کے اعمال کی پاداش میں فوراً پکڑتا تو زمین کی پشت پر ایک جاندار کو بھی نہ چھوڑتا، لیکن وہ ان کو ایک معین مدت تک مہلت دے رہا ہے۔''

لہٰذا وہ انسان کو مہلتِ عمر دیتا ہے کہ وہ عہد اَلست کو یاد کر کے اپنے خالق کی پناہ میں آجائے۔ ''کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی جس میں کوئی سبق لینا چاہتا تو سبق لے سکتا تھا؟'' (فاطر:37) انسان نے وہ قرض ادا نہیں کیا جس کا اللہ نے اسے حکم دیا تھا: ﴿ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَاۤ اَمَرَهٗ﴾ (عبس: 23) یعنی بھلائیوں کی طرف دوڑنے والے نیکیوں میں سبقت کرنے والے: ﴿ اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَ هُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ﴾ (المؤمنون:61) اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کے لیے عرصۂ حیات کا تعین اس لیے فرمایا کہ ان کے اندر جو خیر مخفی ہے، اس کو ظاہر ہونے کا موقع عطا فرمائے اور یہ عمر اس خیر کے ظہور میں آنے کے لیے بہت کافی ہے۔ لیکن یہ انسان عہدِ الست کو یاد کرنے کے بجائے ویسی ہی بحثوں میں پڑ گئے جیسی بحثوں میں پچھلی گمراہ قوموں کے لوگ پڑے تھے:

﴿ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْۤا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّ اَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَ خُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ (التوبة:69)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''مثل ان لوگوں کی جو تم سے پہلے تھے تم میں سے وہ زیادہ قوت والے تھے اور زیادہ مال واولاد والے تھے۔ پس وہ اپنا دینی حصہ برت گئے پھر تم نے بھی اپنا حصہ برت لیا جیسے تم میں سے پہلے لوگ اپنے حصے سے فائدہ مند ہوئے تھے اور تم نے بھی اس طرح جداگانہ بحث کی جیسے کہ انھوں نے کی تھی ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں اکارت ہوئے یہی لوگ نقصان پانے والے ہیں۔''

مؤمنین اس دنیا کو عیش کی بجائے مشقت، آزمائش اور امتحان کی جگہ سمجھتے تھے، کیونکہ انسان کو مشقت میں پیدا کیا گیا ہے۔ (البلد:4) اور عیش صرف جنت میں میسر ہوگا جہاں ہر خواہش پوری ہوگی۔(الفرقان:16) جو کچھ (جنت میں) وہ طلب کریں گے، ان کے لیے حاضر ہے۔(یٰسٓ:57) لہٰذا دنیا میں عیش و عشرت تلاش کرنے کی بجائے مومن اسے جنت کے حصول تک ملتوی کردیتے ہیں اور سادہ زندگی کو اپنے پیغمبر ﷺ کی اتباع میں اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیتے ہیں۔ کفار کو جب اقتدار ملتا ہے تو وہ اس زمین کو جنتِ ارضی بنانا چاہتے ہیں۔ ان کی دوڑ دھوپ دنیا سے زیادہ سے زیادہ تمتع پر مرکوز رہتی ہے اور مؤمنین استخلاف فی الارض کی نعمت ملنے کے بعد نماز، زکوٰۃ کا نظام قائم کرتے اور معروف کی تلقین و منکر کا خاتمہ کرتے ہیں:

﴿ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴾ (الحج:41)

''یہ وہ لوگ ہیں اگر ہم زمین میں ان کو اقتدار دیں تو یہ پوری پابندی سے نمازیں قائم کریں اور زکوٰتیں دیں اور اچھے کاموں کا حکم کریں اور برے کاموں سے منع کریں۔''

وہ متاعِ دنیا کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔(الحجر:88) نماز اُنہیں سب سے زیادہ عزیز ہوتی ہے کہ یہ دین کا ستون ہے اور کفر اور اسلام میں حد فاصل ہے۔ اس لیے قرآن میں آتا ہے: ﴿ وَ مِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَ حَیْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَیْكُمْ حُجَّةٌ ۗ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۗ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَ اخْشَوْنِیْ ۗ وَ لِاُتِمَّ نِعْمَتِیْ عَلَیْكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴾ (البقرۃ:150)

''اور جس جگہ بھی آپ ہوں اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں اور جہاں کہیں تم ہو اپنے چہرے اسی طرف کیا کرو تاکہ لوگوں کی کوئی حجت تم پر باقی نہ رہ جائے سوائے ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لوگوں کے جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا ہے۔ تم اُن سے نہ ڈرو، مجھ ہی سے ڈرو تاکہ میں اپنے نعمت تم پر پوری کروں، اس لیے بھی کہ تم راہِ راست پاؤ۔''

یہ آیت کفر و اسلام میں حد کا تعین کرتی ہے۔ ارشاد ہے اپنے اہل و عیال کو نماز کی تلقین کرو اور خود بھی اس کے پابند رہو: ﴿وَ اْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَ اصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى﴾ (طٰہٰ:132) مؤمنین کو تجارت خرید و فروخت اللہ کی یاد، اقامتِ نماز اور ادائے زکوٰۃ سے غافل نہیں کرتی:

﴿رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَ الْاَبْصَارُ﴾ (النور:37)

'' ایسے لوگ جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے غافل نہیں کرتی، اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن بہت سے دل اور آنکھیں اُلٹ پلٹ جائیں گی۔''

نماز کے بغیر ایمان معتبر نہیں ہے، اس لیے سورۂ توبہ میں مشرکین کو چار مہینے کی مہلت دی گئی تو یہ بھی کہا گیا کہ پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کردیں تو اُنہیں چھوڑ دو۔ (آیت:5)

نماز اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی مخلوق کا حق ہے۔ ان دونوں حقوق کے بغیر ایمان قابل قبول نہیں ہے۔ اسی لیے حضرت ابو بکرؓ نے منکرین زکوٰۃ کے خلاف جنگ کی اور فرمایا کہ اگر یہ اونٹ کی رسّی کے برابر زکوٰۃ دینے سے بھی انکار کریں گے تو ان کے خلاف جنگ ہوگی، اس معاملے میں کوئی رعایت نہیں ہوسکتی !!

دورِ نبوی کا احیا ہی مطلوبِ دین ہے!

رسالت مآب ﷺ کو حکم دیا گیا :

﴿وَ لَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَ جَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا﴾

''اگر ہم چاہتے تو ایک ایک بستی میں ایک ایک خبردار کرنے والا اُٹھا کھڑا کرتے پس اے نبی! کافروں کی بات ہرگز نہ مانیئے اور اس قرآن کو لے کر ان کے ساتھ زبردست جہاد کیجئے۔'' (الفرقان:51)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان آیات میں بتادیا گیا کہ قیامت تک کے لیے سرچشمۂ روشنی کے طور پر کل دنیا کے لیے رسالت مآب ﷺ کافی ہیں جس طرح ایک سورج سارے جہاں کے لیے کافی ہوتا ہے۔

لاکھ ستارے ہر طرف ظلمتِ شب جہاں جہاں

اک طلوعِ آفتاب دشت و چمن سحر سحر

اہل کفر سے جہاد کے لیے رسالت مآب ﷺ کو علومِ عقلیہ اور آلاتِ سائنس کے بجائے قرآن دیا گیا اور کہا گیا کہ اس کو لے کر کفار سے زبردست جہاد کرو۔ عہدِ حاضر کا مسلمان اس قرآن کو ایک طرف رکھ کر جہاد کا علمبردار ہے۔ روزِ قیامت اس اُمت سے اللہ تعالیٰ یہ سوال کریں گے کہ اس نے اس ذمہ داری کو کس درجے میں پورا کیا؟

اسی لیے جمعہ کے خطبوں میں دنیا بھر کی مساجد میں یہ حدیث پڑھی جاتی ہے کہ «خير القرون قرني» سب سے بہترین زمانہ عہدِ رسالت کا زمانہ ہے اور سب سے بہترین لوگ السابقون الأولون ہیں۔ جب ہم کہتے ہیں کہ خیر القرون سب سے بہتر زمانہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ خشیت و عبادتِ الٰہی، آخرت کے خوف اور دنیا سے بے رغبتی کے اعتبار سے وہ عہد مثالی و معیاری عہد تھا، جب آخرت غالب تھی اور دنیا غیر اہم۔ کسی دل کو دنیا محبوب و مطلوب نہ تھی، حضرت خالد بن ولیدؓ جیسا سپہ سالار بھی دنیا سے کوئی رغبت نہ رکھتا تھا۔ جب انتقال ہوا تو ترکے میں صرف ایک گھوڑا اور تلوار تھی، وہ بھی اُمت کے لیے وقف فرمادیئے تھے اور اس بات کا رنج تھا کہ شہادت نصیب نہیں ہوئی۔ خیر القرون کا یہی مطلب ہے کہ دنیا غیر اہم اور مری ہوئی بکری سے زیادہ حقیر اور آخرت ہر شے سے زیادہ اہم ہو جائے، اس یقین کے بغیر اُمّت کا عروج ممکن نہیں۔ ان معنوں میں مسلمانوں کے لیے اُمید و آرزو، روشنی و نور، معیار و وقار و اعتبار اور عظمت و شوکت کی ہر راہ ماضی سے پیوستہ ہو کر عہدِ رسالت ﷺ کے مدینۃ النبیؐ سے وابستہ ہو جاتی ہے اور اس اُمت کی ذمہ داری یہ بن جاتی ہے کہ وہ تاریخ کے پہیے کو مسلسل عہدِ رسالت کی طرف موڑنے، خیر القرون سے وابستہ رکھنے اور پیچھے کی طرف بار بار پلٹانے کی کوششوں میں مصروف رہے اور ہر اس حرکت، جدوجہد، کوشش کو ترک کردے جو مارکس، ہیگل اور مغربی فلاسفہ کے کافرانہ فلسفوں کے تحت ارتقا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے تاریخی سفر کے کفر کو عام کرتی ہے۔ تاریخ کے اس جدلیاتی نظریے کے مطابق ہر اگلا دور پچھلے دور سے بہتر ہوتا ہے اور ہر آنے والی نئی نسل گزر جانے والی نسلوں سے بہتر، زیادہ عاقل وبالغ وسیع النظر، اَعلم اور زیادہ ترقی یافتہ ہوتی ہے۔

اسلام اور مغربی تہذیب میں امتزاج ناممکن ہے!

اسلامی تہذیب وتاریخ وعلمیّت میں اس قسم کے افکار کی کوئی گنجائش نہیں۔ عہد رسالت سے بہتر زمانہ اور بہتر دور نہ آسکتا ہے، نہ آسکے گا اور اس دور کا احیا، اس کی جدوجہد، اس روشنی کی جستجو اور جدوجہد کی خاطر زندگی وقف کردینا یہی مطلوبِ دین ہے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ عہدِ رسالت سب زمانوں سے بہتر ہے تو اس اعتراف و اعلان کا کیا مطلب ہے؟ کیا عہدِ رسالت کا طرزِ معاشرت، تہذیب، اندازِ نشست و برخاست، سادگی، جمالیات اور سادہ ترین زندگی اب ہمیشہ کے لیے متروک ہوچکے ہیں یا اس کا احیا ممکن ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ ہمارا طرزِ زندگی فرعون کا ہو، اور اس طرزِ زندگی میں خیر القرون کی روحانیت کو داخل کردیا جائے؟ کیا دنیا کو ترجیح دینے والے نفس، نظامِ زندگی، معیشت، معاشرت تہذیب وثقافت میں عہدِ رسالت کی روحانیت داخل کی جاسکتی ہے؟

جدید طرزِ زندگی کے اندر اسلام کی روحانیت داخل کرنے کی آرزو محض سادگی کی انتہا ہے لہٰذا جب بھی دنیاپرست طرزِ زندگی دین میں داخل ہوگا اور دین دوسرے دروازے سے رخصت ہونے کے بجائے اس جدید مادی ڈھانچے میں تعمیر و تشکیل کے مرحلے سے گزر کر جدید مادیت کی اسلام کاری کرے گا تو روحانیت اس پیکر مادی سے خود بخود رخصت ہوجائے گی۔ دو مختلف طرزِ زندگی دو مختلف و متضاد مابعد الطبیعیات سے نکلنے والے ادارے، اقدار و روایات، علوم، رویے، اسالیب اور مناہج ایک تہذیب میں نہیں سموئے جاسکتے۔ اس لیے گزشتہ سو برس میں عالم اسلام کے اخلاقی روحانی بحرانوں کا سبب یہی دوئی [Dualism] ہے جس کو جاری رکھنے کی علمی دلیلیں دنیاپرست اہل علم مسلسل دے رہے ہیں۔

نفس پرستی اور نفس کشی کی متضاد روایات ایک ساتھ نہیں چل سکتیں۔ کیا خیر القرون کے عہد کی کیفیات اس دور کی سادگی اور دنیا سے کم سے کم تمتع کی روایت کے بغیر روحانیت کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منبع کچھ اور بھی ہو سکتا ہے؟

مغرب کی کھوکھلی اور بے چین تہذیب

کیا اس جدید تہذیب و تمدن اور طریقوں کو لفظ بہ لفظ 'ارتقاے زمانہ' کے نام پر اختیار کرلیا جائے جس کے نتیجے میں لوگوں کا زندگی بسر کرنا بلکہ مغرب میں لوگوں کا مرنا بھی ناممکن ہوگیا ہے؟ برطانیہ جیسے ملک میں تدفین کی رسومات پر چار پانچ ہزار پونڈ خرچ ہوتے ہیں لہٰذا اب تدفین کی رسم کے لیے بھی انشورنس متعارف کرایا گیا ہے۔ صنعتی انقلاب کے نتیجے میں کینسر جیسی کئی موذی اور مہلک بیماریوں کے جدید علاج نے موت کا حصول بھی مشکل بنادیا ہے۔علاج سے مرنے کے لیے لاکھوں روپے کی ضرورت ہے۔ سات ہزار سال کی تاریخ میں سترہ تہذیبوں میں جہاں کبھی خودکشی کی روایت نہیں رہی۔تاریخ میں پہلی مرتبہ خودکشی جدید طرزِ زندگی کے طور پر عام ہورہی ہے۔ غربت، معیارِ زندگی کی آرزو، خوابوں سے بھرپور اَلف لیلوی پر تعیش زندگی، چکاچوند سے معمور، زرق برق خوابناک طرزِ حیات جو صرف میڈیا پر دکھائی دیتا ہے، جدید ایجادات اور اُن کی اشتہار بازی سے بے شمار مہلک دماغی، جسمانی اور روحانی امراض مسابقت کی دوڑ میں ناکامی کے باعث پیدا ہورہے ہیں۔ان مہلک امراض کے علاج اتنے مہنگے ہیں کہ زندگی بہ خوشی ہار دینا اور خودکشی کرلینا زیادہ آسان ہوگیا ہے۔جو موت قسطوں میں لاکھوں روپے خرچ کرکے ملتی ہو، جس کے باعث خاندان، جائیداد، عزتیں اور عورتیں سب بک جاتی ہوں مگر مریض پھر بھی صحت مند نہ ہوتا ہو تو سب کے لیے خودکشی کے راستے کھل جاتے ہیں۔اسی لئے خودکشی عام ہورہی ہے خواہ وہ دنیا کے غریب علاقے ہوں یا امیر خطے،اس کا سبب شاعر عارف شفیق نے صرف دو مصرعوں میں بتادیا ہے: ع

غریب شہر تو فاقے سے مرگیا، لیکن امیر شہر نے ہیرے سے خودکشی کرلی

کسی کے پاس کھانے کو روٹی نہیں اور کسی کے پاس کھا کے مرنے کے لیے ہیرا ہے،یہ خدا بے زار معاشروں کا انجام ہے!!

خودکشی صرف غریب آدمی نہیں کررہا، بڑے بڑے اُمرا کررہے ہیں؛ان یورپی ممالک میں ہورہی ہے جہاں آمدنی اور عیاشی سب سے زیادہ ہے۔ جن کو ہمارے جدیدیت پسند مسلم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مفکرین بڑی حسرتوں سے دیکھتے ہیں اور جیسے ہی کسی یورپی ملک سے سفر کر کے آتے ہیں، فوراً مدح و ثنا کے لیے سفر نامے لکھتے اور اسلام سے ٹریفک کا نظام ثابت کرنے لگتے ہیں۔ مغرب میں محبت، خاندان، رشتوں، روابط، مذہب، اقدار اور اخلاقیات کی موت کے باعث لوگوں کی زندگی بے معنی [meaningless] ہو چکی ہے۔ اس کو معنی دینے کا طریقہ گینیز بک آف ورلڈ ریکارڈ ہے، مگر زندگی پھر بھی بے معنی ہی رہتی ہے۔ نہ خاندان، نہ ماں، نہ بیوی نہ بچے، آدمی کس کے لیے جیئے؟ کس کے لیے مرے؟ کس کے لیے قربانی دے؟ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ آدمی اپنے ہی لیے مر جائے۔ ہائیڈیگر کے الفاظ میں یہ 'فاتحانہ موت' آج مغرب کی پسندیدہ تہذیب ہے جسے تیزی سے مقبولیت حاصل ہو رہی ہے۔

عہدِ حاضر کا سب سے بڑا فلسفی گلز ڈیلوز [Gills Delluze] اس عہد کے مسائل پر سوچتے سوچتے پاگل ہو گیا اور وہ ان مسائل کا کوئی جواب نہ دے سکا تو اس نے ہسپتال کی کھڑکی سے چھلانگ لگا کر خودکشی کر لی۔ اسے صدمہ ہے کہ انسان ابھی تک آزاد نہیں ہو سکا۔ باپ بیٹی، ماں اور بیٹے کے رشتوں میں مساوات کے فلسفے کے باوجود ابھی تک احترام قائم ہے۔ یہ تعلقات ابھی تک مکمل ناپاک نہیں ہوئے۔ اسے شکایت یہ ہے کہ [Incestuous Relations] عام کیوں نہیں ہو گئے۔ حالانکہ مغرب میں مساوات کے فلسفے کے باعث حقیقی خونی رشتوں میں جنسی جبر کی شکایات عام ہیں۔ تاریخ انسانی میں کبھی کسی فلسفی نے اس بے بسی کے ساتھ اپنی جان کا نذرانہ پیش نہیں کیا۔ جدید مغربی تہذیب اس کی سائنس، ٹیکنالوجی اور اس کے بطن سے پھوٹنے والے مسائل گلز ڈیلوز کی خودکشی کا سبب ہیں۔

سوئٹزرلینڈ، ناروے، سویڈن، جرمنی اس وقت عصری تاریخ کے ترقی یافتہ، امیر، سہولتوں سے آراستہ اور جدید فتوحات سے مزین بہت محدود آبادی کے حامل معاشرے ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ خودکشی کی شرح انہی خطوں میں ہے تو آخر کیوں؟ مادی ترقی کی معراج پر پہنچنے کے بعد بھی کیا کسی شے کی ضرورت باقی رہ گئی؟

انسان خودکشی کیوں کرتا ہے؟ کیا اسے خودکشی کرنی چاہیے؟ خودکشی کیوں کی جاتی ہے؟ فلاسفہ کے یہاں اس پر دلچسپ بحث ملتی ہے۔ کانٹ کے خیال میں انسانی ذہن بارہ حصوں میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منقسم ہے۔ ہیگل کے خیال میں ان کی تعداد 105 ہے۔ کانٹ کے خیال میں کوئی عقل مند خود کشی نہیں کر سکتا۔ ہیگل کے خیال میں خود کشی انسان ہی کرتے ہیں، جانور کبھی خود کشی نہیں کرتے۔ کیا عہد حاضر کا انسان جانور سے بھی گیا گزرا ہے یا خود کشی کوئی قابل فخر کام ہے۔ عہدِ حاضر میں زندگی اتنی اذیت ناک کیوں ہو گئی ہے؟!

زندگی یقیناً اذیت ناک ہے، اس لیے کہ عہد حاضر کے انسان کی آرزوئیں اور تمنائیں میڈیا اور اشتہارات کی صنعت نے بہت بڑھا دی ہیں۔ اس کے نتیجے میں انسان Scarcity کے جدید مادی و روحانی بحران کا شکار ہو گیا ہے جس کا آخری حل خود کشی ہے۔ جزیرۃ العرب کی سخت ترین زندگی میں شب و روز بسر کرنے والے مشرکین نے کبھی خود کشی نہیں کی مگر عہدِ حاضر کے عیش و عشرت اور سہولتوں میں آنکھ کھولنے والے وحشی اپنی جان پر کیوں کھیل رہے ہیں؟ کیا بنیادی تغیر واقع ہو گیا ہے کہ اونٹ کی جلتی ہوئی پیٹھ پر بیٹھ کر تپتے ہوئے صحراؤں میں کوک پیپسی اور ٹیٹرا پیک کے دودھ کے بغیر سفر کرنے والا فرد کبھی زندگی سے بیزار نہیں ہوتا تھا، جب کہ عہدِ حاضر کا عیاش فرد یہ تمام سہولتیں، مراعات، تعیشات، مل جانے کے باوجود مر جانا چاہتا ہے تو کیوں؟ اگر عہدِ جدید کے مسلم مفکرین ان باریکیوں، نزاکتوں سے واقف نہیں تو وہ خطبہ جمعہ سننا ترک کر دیں اور اپنے لیے ہیگل کے جدلیاتی افکار پر مبنی دَجل سے نیا خطبہ جمعہ تیار کریں۔ [خود کشی کی تفصیلات کے لیے انٹرنیٹ پر بے شمار معلومات میسر ہیں]

سائنس و ٹیکنالوجی کے مدح خواں

حسین نصر اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہر تہذیب کو سائنسی ترقی اس قوم کے دورِ زوال میں ملی، لیکن اس تاریخی تجزیے کو تسلیم کرنے کے بعد وہ مسلمانوں کی سائنسی ترقی کے دورِ عروج کو ہی اصلاً دورِ عروج سمجھتے ہیں، اسے زوال کی علامت کے طور پر قبول نہیں کرتے اور اس امر پر تعجب کرتے ہیں کہ اس عروج پر زوال کیوں آ گیا؟ اور اس زوال سے عروج کے سفر کا راستہ کیسے نکالا جائے؟ یعنی دنیا کی تاریخ میں تمام تہذیبوں اور اقوام میں مسلمان وہ واحد تہذیب، قوم یا اُمت ہے جس کو سائنسی ترقی دورِ زوال میں نہیں مسلمانوں کے دورِ عروج میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملی۔ ایک جانب وہ عہدِ عباسی کو عہدِ ملوکیت بھی قرار دیتے ہیں، ملوکیت کو تمام گناہوں کی جڑ کہتے ہیں تو دوسری جانب اس ملوکیت سے نکلنے والی سائنس کو عظیم اسلامی سرمایہ تسلیم کرتے ہیں اور اس سرمایے کے دوام کے لیے کوشاں رہنے کو مقصودِ قرآن اور مطلوبِ رسالتِ محمدی ﷺ قرار دیتے ہیں۔

ملوکیت کو تمام گناہوں کی جڑ قرار دینا تاریخی طور پر خالص سیاسی مادی اور دورِ جدید میں خالص مغربی نقطہ نظر سے ہم آہنگ فکر ہے جو جمہوریت اور جدید مغربی تصورِ تاریخ سے برآمد ہوا ہے جس کی عمر تین سو سال سے زیادہ نہیں ہے۔ اسلامی تاریخ کو ملوکیت کی تاریخ سمجھنا ردّ عمل کی نفسیات سے برآمد ہونے والا نتیجہ ہے جو جمہوریت کے کفر سے خاص تعلق رکھتا ہے اور حاکمیتِ جمہور کے ذریعے حاکمیتِ الٰہ کے تصور کو جڑ/بنیاد سے ختم کر دیتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ یہ نقطہ نظر اپنی تاریخ کا انکار ہے۔ جو ملت اپنی تاریخ کو بالکلیہ ردّ کر دے، وہ صحرا میں تنہا کھڑی ہو گی اور سراب کی تلاش میں رہے گی۔

اُمتِ محمدیہ نے سائنسی علوم کی ترویج کو اپنا مطمح نظر کیوں نہ بنایا!

حسین نصر کے ان تضادات کی تشریح و توجیہ کے لیے ہمیں کچھ اور لکھنے کی ضرورت نہیں، حسین نصر اور مکتبہ روایت سے وابستہ مفکرین اسلامی سائنس کی نہایت عالمانہ اور پرجوش وکالت کے باوجود یہ نہیں بتا سکے کہ مسلمان کا دورِ عروج تو عہدِ رسالت مآب ﷺ اور عہدِ خلافتِ راشدہ ہے اور بلا شبہ خیر القرون ہے، لیکن اس عظیم عہد اور اس کے بعد خلافتِ راشدہ کے زرّیں ادوار میں سائنس کی ترقی کے لیے کیا لائحۂ عمل مرتب کیا گیا؟ اگر نہیں تو کیوں؟ خیر القرون سائنس کی عظیم ترقی سے کیوں خالی رہا؟ کیا علومِ نقلیہ، روحانیت اور شعورِ ایمانی کے مقابلے میں علوم عقلیہ کی ذرہ برابر بھی وقعت نہیں تھی۔ کبار صحابہ کرامؓ میں کتنے سائنس داں تھے، سائنس کے بغیر ہی مسلمانوں نے تین برّاعظموں کو کیسے فتح کیا؟

اُمتِ مسلمہ کا اصل کردار وہ ہے جب وہ مادی طور پر نہایت ہلکی اور اخلاقی و روحانی طور سے سب پر فضیلت کی حامل تھی یا وہ دور جب اسے دنیا میں مادی طور پر برتری حاصل ہو گئی تھی۔ اگر مادی دور بہتر تھا تو اسی دور میں تاتاریوں جیسی کمزور قوم نے اُنہیں کیسے شکست دے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دی؟اور اندلس عظیم سائنسی ایجادات کے باوجود اپنا تحفظ کیوں نہ کر سکا کہ وہاں کوئی مسلمان باقی نہ بچا؟

یہ سوال اہم ہے کہ ہمسایہ اقوام کی مادّی ترقی ، تہذیب، سائنس اور تعمیرات سے اُمّ القریٰ کے مسلمان کیوں مرعوب و متاثر نہ ہوئے ؟ اور مدینۃ النبیؐ میں ان فنون اور علومِ عقلیہ کی درآمد میں کیا امر مانع رہا؟ اس سوال پر بھی غور کی ضرورت ہے کہ مسلمان ہمسایہ اقوام کے علومِ عقلیہ اور محیر العقول فلسفہ و سائنس سے اگر مرعوب ہو جاتے تو کیا وہ روم و ایران کو فتح کر سکتے تھے ؟ رومی اپنی تمام تر طاقت کے باوجود ایران کو فتح نہ کر سکے، لیکن مسلمانوں نے نہ صرف سرزمین ایران کو فتح کر لیا بلکہ اس خطے کے لوگوں کے قلب بھی تسخیر کر لیے اور عظیم الشان رومی سلطنت کا بھی خاتمہ کر دیا۔ مسلمانوں کے پاس روم و ایران کی سائنس و ٹیکنالوجی کے مقابلے میں صرف ایمان کی قوت تھی۔ ان قوتوں کا خاتمہ کرنے والے ان ختم ہونے والی سلطنتوں کی مادی ترقی، علومِ عقلیہ کے مقابلے میں کس حیثیت اور کس مقام کے حامل تھے، اس کے لیے تمام مروّجہ تاریخوں کا مطالعہ کر لیا جائے۔

قرآن اور صاحبِ قرآن پر اعتراضات کی روش

کفارِ مکہ جب ایک اُمی رسول ﷺ کے معجزانہ کلام کے سامنے عاجز رہ گئے تو اُنہوں نے یہ اعتراض کیا تھا:

﴿ وَ قَالُوۡۤا اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ اکۡتَتَبَہَا فَہِیَ تُمۡلٰی عَلَیۡہِ بُکۡرَۃً وَّ اَصِیۡلًا ﴾(الفرقان:5)

”یہ پرانے لوگوں کی لکھی ہوئی چیزیں ہیں جنہیں یہ شخص نقل کراتا ہے اور وہ اسے صبح و شام سنائی جاتی ہیں۔“

صرف یہی نہیں بلکہ کفار کو یہ اعتراض تھا کہ یہ کیسا پیغمبر ہے جس کے ساتھ فرشتوں کے لشکر نہیں، جو ہماری طرح بازاروں میں چلتا پھرتا، کھاتا پیتا اور ہم سے ہم کلام ہوتا ہے۔ اسے علم، مال، دولت، شان و شوکت یعنی مادی طور پر کسی بھی شے میں ہم پر برتری حاصل نہیں۔ یہ مادہ پرست جس چیز کو علم سمجھتے ہیں اور جس منہاجِ علم میں کھڑے تھے، وہاں دنیا اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اُمورِ دنیا سے متعلق علوم یعنی علومِ عقلیہ اور مال و دولت ہی راس العلم تھا۔ وہ پیغمبر کو عام انسانوں کی طرح عام لوگوں کے ہم رکاب دیکھتے تھے تو اُنہیں حیرت ہوتی تھی۔

ان کا یہ اعتراض بظاہر درست تھا، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں کو مافوق الفطرت تصور کرتے تھے۔ جنات کے ساتھ انکے تعلق کی نوعیت اور ان کے اکرام کے واقعات جو تاریخ عرب اور کلام عرب ملتے ہیں، اس نقطہ نظر کی تشریح میں معاون ہو سکتے ہیں:

﴿ وَ قَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا اَوْ يُلْقٰۤى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ؕ وَ قَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴾ (الفرقان:7، 8)

''یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ کیوں نہ اس کے پاس کوئی فرشتہ بھیجا گیا جو اس کے ساتھ رہتا اور (نہ ماننے والوں) کو دھمکاتا؟ یا اور کچھ نہیں تو اس کے لیے کوئی خزانہ ہی اُتار دیا جاتا یا اس کے پاس کوئی باغ ہی ہوتا جس سے یہ (اطمینان کی) روزی حاصل کرتا۔ اور ان ظالموں نے کہا کہ تم ایسے آدمی کے پیچھے ہو لیے ہو جس پر جادو کر دیا گیا ہے۔''

﴿ وَ قَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴾ (الفرقان:30)

''اے میرے ربّ! میری قوم کے لوگوں نے اس قرآن کو نشانۂ تضحیک بنا لیا تھا۔''

یہ آیت صرف عہدِ رسالتؐ کے کفار مشرکین کے لیے نہیں ہے، اس عہد کے جدیدیت پسند مسلمانوں کے لیے بھی ہے جنہوں نے اس قرآن کی تضحیک کے نئے نئے طریقے ایجاد کیے ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ قرآن کے معنٰی Hermeneties سے معین ہوں گے، کبھی کہتے ہیں کہ کلام عرب سے اخذ ہوں گے، کبھی کہتے ہیں کہ اس کے جو معنی عہد رسالت میں تھے، اب وہ نہیں ہیں۔

ان میں جو بہت زیادہ جری ہیں ان کو شکوہ ہے کہ اس قرآن کو لے کر ہم کیا کریں، اس میں نہ سائنس ہے، نہ سوشل سائنس، نہ منطق۔ اس کی آیات سے نہ ہم ایٹم بم بنا سکتے ہیں، نہ ہوائی جہاز، یہ قرآن عہدِ حاضر میں کسی کام کا نہیں ہے۔ نعوذ باللہ، دوسری جانب معذرت خواہ سادہ لوح اور جاہل مفکرین اسی قرآن سے تمام مغربی، مادی، عقلی اور سائنسی علوم کو ثابت کر رہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں۔ مگر اس سوال کا جواب نہیں دیتے کہ عجیب بات ہے کہ قرآن تمہارے پاس تھا اور قرآن میں مستور و مخفی تمام علوم کافروں کو مل گئے جن میں سے کسی ایک سائنس دان نے کبھی بھول کر قرآن نہیں پڑھا اور نہ قرآن کے ذریعے کوئی سائنسی فارمولا دریافت کیا!!

مختصر تبصرہ از مدیر: سائنس کے بغیر مسلم اُمہ کی ترقی کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوگا! ملتِ اسلامیہ سائنس و ٹیکنالوجی کی طرف رجوع کرکے اپنے زوال کا مداوا کیوں نہیں کرلیتی؟ قرآنِ کریم میں سائنسی علوم کو کیوں موضوعِ بحث نہیں بنایا گیا؟ اس طرح کے خیالات آئے روز ہم سنتے رہتے ہیں، اور اب یہ شکوہ ایک باقاعدہ مکتبِ فکر کی شکل اختیار کرگیا ہے جس کی قیادت حسین نصر اور ان کے ہم خیال لوگ کررہے ہیں۔

زیر نظر مضمون کے فاضل راقم سائنس و ٹیکنالوجی کا انکار کرنے کی بجائے اسے ترقی کا واحد راستہ اور اس کی معراج سمجھنے کے نظریے کے شدید ناقد ہیں۔ ان کے خیال میں اس طرزِ فکر سے اسلام کا اصل مقصود جو اللہ کی معرفت و خشیت، اس کی عبادت، دنیا میں خیر وصلاح کو پھیلانا اور آخرت کی تیاری وغیرہ پس پشت چلے جاتے ہیں۔ الزامی طرزِ استدلال قائم کرتے ہوئے مقالہ نگار استفسار کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے تین براعظموں کو سائنس و ٹیکنالوجی کے بغیر کیوں کر فتح کرلیا؟ خیر القرون کیوں سائنس و ٹیکنالوجی سے 'مزین' نہ ہوسکا؟ صحابہ کرام میں کون سے نامور سائنس دان تھے؟ اللہ تعالیٰ نے دورِ نبوت میں سائنس و ٹیکنالوجی کی موجودگی اور اس دور کے ترقی یافتہ تہذیب و تمدن اور یونیورسٹیوں کے باوجود اپنے محبوب ﷺ کو اس سے کوئی وافر حصہ کیوں عطا نہ کیا؟ اس کے بالمقابل دلوں اور کائنات کو مسخر کرنے والی جو ہدایت اللہ نے اپنی نبی مکرم ﷺ کو دی، وہ بھی ظاہری وسائل علم کے بجائے قلب اطہر پر براہِ راست ہی نازل ہوئی۔ یہ ان کے موقف کا ایک غالب پہلو ہے جو واقعتاً قابل غور ہے!

دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ اسلام مجرد سائنس کا مخالف نہیں۔ ذاتِ باری تعالیٰ پر اعتقاد واعتماد رکھنے کو شرطِ ایمان ٹھہراتے ہوئے، دنیا کے دار الاسباب ہونے کے تحت اللہ تعالیٰ نے عملی رویہ کے طور پر اُمتِ مسلمہ کو دنیوی اسباب کی جستجو کی تلقین کی ہے۔ بطورِ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مثال جب قرآن کریم ہمیں ﴿واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ﴾ کی ہدایت دیتا ہے تو اس سے مقابلتاً بہتر دنیوی اسباب کے حصول کی جستجو بھی اُمتِ مسلمہ پر عائد ہو جاتی اور دورِ حاضر کے تناظر میں سائنس و ٹیکنالوجی کا حصول واجب ہو جاتا ہے۔ اللہ کی بندگی کو ہی اصل ہدف سمجھ لینا اور اللہ کی عبادات کو انجام دینے پر اکتفا کر لینا ہمارے ملی تحفظ اور فریضۂ ابلاغِ دینی کی ادائیگی کی دنیا میں کافی بنیاد نہیں ہے بلکہ ہمارا دین ہی ہمیں اسباب کے حصول کی بھی تلقین کرتا ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہم تحفظ کے ان ذرائع و وسائل کو نظر انداز کر دیں۔ یہ بات درست ہے کہ مسلمان کا مطمح نظر اور مقصود و ہدف اللہ کی بندگی اور دنیا میں صلاح و خیر پر عمل پیرا ہونا ہے، تاہم اس دنیا کے دارالاسباب ہونے کے تحت سائنس ایک ضرورت ہے اور اس کا استعمال ضرورت کے ہی درجے میں ہوگا۔

یہ تو سائنس کا وہ استعمال ہے جو اقوام و ملل کے مابین غلبہ کے لئے ضروری ہے، کیونکہ اسلام کو برداشت کرنے کی بجائے سارا کفر مل کر اس کی بیخ کنی پر مجتمع رہا ہے جیسا کہ نصوص سے معلوم ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں سائنس کا ایک مقصد دنیا کو باسہولت و منظم بنانا بھی ہے۔ سائنس کا یہ پہلو دنیوی زینت کے حصول کی جستجو کرتا ہے۔ اس کی بھی اسلام میں ایک حد تک مخالفت نہیں ہے، کیونکہ مسلمان آخرت کی کامیابی کے اصل ہدف کے ساتھ ساتھ دنیا میں بھی زیب و زینت کو اختیار کر سکتا ہے۔ اسلام رہبانیت کا دین نہیں اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مسلمانوں کو اسلام پر عمل کرنے کی صورت میں حیٰوۃ طیبہ کا وعدہ دیا۔ مسلمانوں کو دین کے ساتھ دنیا کے حسنہ ہونے کی دعا بھی سکھلائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کہا کہ ''کون ہے وہ جو دنیوی زینت کو اللہ کے بندوں پر حرام کرتا ہے؟ دنیا میں یہ زینت مسلمان و کفار دونوں کو ملتی ہے، جبکہ آخرت میں یہ زینت صرف اللہ والوں کے لئے خاص ہے۔''

اگر مقالہ نگار تصوف کی طرف اپنے رجحان کے سبب دنیا سے نفور اور نفس کشی کو اسلام کا مقصد بتا رہے ہیں، تو یہ ایک دوسری انتہا ہے جس کے بالمقابل سائنس و ٹیکنالوجی واقعتاً امر حرام نظر آتی ہے۔ لیکن واضح ہے کہ تصوف کا یہ نظریہ خود اس قابل ہے کہ اس کی اصلاح کی جائے۔ اسلام کا اصل ہدف آخرت کی اصلاح ہے، تاہم دنیا میں مطمئن اور پر سکون زندگی بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام کا مقصود ہے اور اشیا کے نظم ونسق کو اسلام پسند کرتا ہے۔

سائنس اپنی اصل کے اعتبار سے اللہ کی پیدا کردہ چیزوں کے نظام اسباب کو جاننے اور ان کو اپنے مقاصد کے لئے بہتر طور پر استعمال کرنے کا نام ہے۔ اس لحاظ سے سائنسی اُصول دراصل الٰہی اُصول ہیں جن کی معرفت / تجربہ کرنے کے نام پر ان کو سائنسی قرار دینے کی غلطی کی جاتی ہے۔ چونکہ فی زمانہ سائنس مغربی اقوام کی کاوشوں کی رہین منت ہے، اس بنا پر یہ 'مغربی سائنس' مغربی مفادات اور فلسفہ کی اسیر ہے۔اس امر کی ضرورت ہے کہ موجودات کی حقیقت وکنہ کو مغرب کی محکومی سے نکال کر اس حد تک انسانیت کا خادم بنایا جائے جہاں تک ہمارے دین نے اجازت دی ہے۔الغرض مقالہ نگار کا موقف بالکل درست ہے کہ ترقی کی معراج دراصل اسلام کے نظریاتی و عملی تقاضوں پر علم پیرا ہونا ہی ہے، تاہم سائنس کی کلی نفی کی بجائے اسلامی حدود کے اندر سائنس و ٹیکنالوجی کو فروغ دینا اس دور میں ملتِ اسلامیہ کی جوابی ضرورت ہے، اس کا بھی انکار نہیں کیا جاسکتا! [ڈاکٹر حافظ حسن مدنی]

© rasailojaraid.com